© rasailojaraid.com

خدایا! دنیاوی اسباب اور دنیاوی سہارے سب ٹوٹ چکے، اب تیرے دین کی مدد اور فتح کے لئے صرف تیرا ہی سہارا رہ گیا ہے کہ تیرے آستانہ پر سر رکھ کر دعا کیا جائے، اور تیرے سہارے کو مضبوط پکڑ لیا جائے۔ اب صرف تیرا ہی بھروسہ ہے اور تیری ہی ذات قادر مطلق ہے۔ [illegible]

ملتِ اسلامیہ
آج کسی صلاح الدین ایوبیؒ کیلئے مضطرب ہے۔

فاتح بیت المقدس، عالم اسلام کا محافظ

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ

(از مولانا ابو الحسن علی ندوی)

۴۹۰ھ میں صلیبیوں کے پہلے لشکر نے شام کی طرف کوچ کیا، دو سال کے عرصہ میں صلیبیوں کے لشکر نے الرہا (ایڈیسا) اور ولایت انطاکیہ کے بڑے شہروں، بہت سے قلعوں اور حلب پر قبضہ کر لیا۔ ۴۹۲ھ (۱۰۹۹ء) میں صلیبی سپاہیوں نے یروشلم (بیت المقدس) کو فتح کر لیا اور چند سال کے اندر اندر ملک فلسطین کا بڑا حصہ یعنی ساحل شام پر انطرطوس، عکہ، طرابلس الشرق اور صیدا صلیبیوں کے تصرف میں آگیا۔ مشہور انگریز مورخ سٹینلے لین پول کے بقول صلیبی سپاہی ملک میں اس طرح گھسے جیسے کوئی پرانی لکڑی میں پچر ٹھونک دے، تھوڑی دیر کو یہی معلوم ہونے لگا کہ درخت اسلام کے تنے کو چیر کر اس کی پھپیاں اڑا دیں گے۔ صلیبیوں نے داخلۂ بیت المقدس کے موقع پر فتح کے نشہ میں سرشار ہو کر مجبور مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا ذکر ایک ذمہ دار مسیحی مورخ ان الفاظ میں کرتا ہے:

"بیت المقدس میں فاتحانہ داخلہ پر صلیبی مجاہدین نے ایسا قتل عام برپا کیا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان صلیبیوں کے گھوڑے جو مسجد عمر میں سوار ہو کر گئے، گھٹنوں گھٹنوں خون کے چھینٹے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بچوں کی ٹانگیں پکڑ کر ان کو دیوار سے دے مارا گیا۔ یا ان کو چکر دے کر فصیل سے پھینک دیا گیا، یہودی کل کے کل اپنے ہیکل (معبد) میں زندہ جلا دیئے گئے۔"

"دوسرے دن اس سے بڑے پیمانے پر ان بدنصیب مقتولوں کا جان بوجھ کر اعادہ کیا گیا۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ٹینکرڈ نے تین سو قیدیوں کی جان کی حفاظت کی ضمانت کی تھی، وہ چیختا رہا اور ان سب کو باہر لاکر قتل کر دیا گیا۔ پھر ایک زبردست قتل عام شروع ہوا، مردوں، عورتوں اور بچوں کے جسم ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ کر دیئے گئے۔ ان کی لاشوں کے ٹکڑوں اور کٹے ہوئے اعضاء کے ڈھیر لگ گئے۔ بالآخر یہ سفاکانہ قتل عام اختتام کو پہنچا، شہر کی خون آلود سڑکوں کو عرب قیدیوں سے دھلوایا گیا۔[1]

بیت المقدس کی فتح اسلامی سلطنت کے ضعف اور زوال اور مسیحی دنیا کی بیداری اور اس کی زرخیز طاقت کی خبر دیتی تھی، اور عالم اسلام میں خطرہ کی گھنٹی تھی، شام و فلسطین میں مستقل چار عیسائی ریاستیں قدس، انطاکیہ، طرابلس، اور رہا کی قائم ہو چکی تھیں، اور مرکز اسلام (حجاز) کی آزادی اور حرمت کے لئے مستقل خطرہ تھیں۔ مسیحیوں کے حوصلے اتنے بلند ہو چکے تھے کہ رینی نالڈ والی کرک نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا[2] اور روضۂ اطہر سے متعلق گستاخانہ اور اہانت آمیز کلمات اور ارادوں کا اظہار کیا، حقیقت یہ ہے کہ واقعۂ ارتداد کے بعد اسلام کی تاریخ میں اس سے زیادہ نازک وقت اور خطرہ کی گھڑی نہیں آئی۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ اسلام کا وجود خطرہ میں تھا اور عالم اسلام کو ایک فیصلہ کن جنگ کرنی ضروری تھی۔

صلاح الدین ایوبیؒ کی ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معجزہ اور اسلام کی صداقت و ابدیت کی روشن دلیل ہے۔

ایک متوسط درجہ کے کرد شریف زادہ اور خاندانی سپاہی کی حیثیت سے ان کا نشوونما ہوا۔ مصر کی فتح اور صلیبیوں کے مقابلہ میں میدان میں آنے سے پہلے کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ کرد نوجوان بیت المقدس کا فاتح اور عالم اسلام کا محافظ ثابت ہوگا، اس کی قسمت میں وہ سعادت لکھی ہے، جو بڑے بڑے عالی نسب شہسوار اور صلحاء کے لئے قابل رشک ہے۔ اور تاریخ میں وہ اتنا بڑا کارنامہ انجام دے گا جس سے روح نبی تک کو شادمانی حاصل ہوگی۔

لین پول لکھتا ہے کہ "بجائے اس کے کہ صلاح الدینؒ سے کوئی علامت ایسی ظاہر ہوتی جس سے معلوم ہوتا کہ وہ آئندہ کوئی بڑا آدمی ہونے والا ہے۔ وہ ایک روشن مثال اس خاموش اور پرامن نیکی کی بنا رہا، جو شریف طبیعتوں کو تمام اخلاقی کمزوریوں سے دور رکھتی ہے"[3]

---

1. انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۶، ص ۷۲۴ مضمون "CRUSADES"
2. سلطان صلاح الدین ایوبی از اسٹینلے لین پول ص ۱۸۸۔
3. سلطان صلاح الدین ایوبی [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن جب اللہ تعالیٰ کو ان سے کام لینا منظور ہوا، تو اس کا فیصلہ سامان کیا گیا، ان کو ان کے چچا نعمت نور الدین نے سخت اصرار و حکم سے مصر بھیجا، قاضی بہاء الدین ابن شداد سلطان کے معتمد خاص لکھتے ہیں۔ کہ سلطان نے مجھ سے خود بیان کیا کہ میں بڑی ناگواری اور مجبوری سے مصر آیا۔ میرا مصر آنا بالکل میری مرضی سے نہیں ہوا۔ میرا معاملہ بالکل وہی ہے، جس کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے۔ "وعسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم" ۱ؔ

مصر پہنچ کر جب صلاح الدین کے لئے میدان بالکل صاف ہو گیا، اور مصر کی زمام مملکت ان کے ہاتھ میں آگئی، تو ان کی زندگی یکسر بدل گئی۔ یہ خیال دل میں جم گیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے کوئی بڑا کام لینا ہے اور اس کام کے ساتھ عیش و راحت کا کوئی جوڑ نہیں۔

قاضی بہاء الدین ابن شداد لکھتے ہیں کہ حکومت (مصر) کی باگ ڈور ہاتھ میں آجانے کے بعد دنیا ان کی نظر میں ہیچ ہو گئی، شکر گزاری کا جذبہ ان کے دل میں موجزن ہوا۔ شراب سے توبہ کی، عیش و تفریحات سے منہ موڑ لیا اور ایک سنجیدہ اور جفاکش زندگی اختیار کی، اور اس میں دن بدن ترقی ہی ہوتی گئی ۲ؔ

لین پول بھی یہی لکھتا ہے:

"اب جہاں تک صلاح الدین کا اپنی ذات سے تعلق تھا، اس نے اپنی زندگی کے قواعد سخت کر دئے۔ متقی اور پرہیزگار تو وہ ہمیشہ کا تھا۔ مگر اب اس میں اور سختی اختیار کی دنیا کے عیش و آرام اور لذتوں کا خیال بالکل ترک کر دیا اور اپنے اعمال پر بھی سخت پابندیاں عائد کیں اور اپنے ساتھیوں کے حق میں خود ایک مثال بنا، اس نے اپنی تمام تبلیغی کوششیں اس بات میں صرف کیں کہ ایک ایسی اسلامی سلطنت قائم کرے، جس میں کہ کفار کو ملک سے خارج کرنے کی پوری طاقت ہو۔ چنانچہ ایک موقع پر اس نے کہا "جب خدا نے مجھے مصر دیا، تو میں سمجھا کہ فلسطین بھی مجھے اللہ کو دینا منظور ہے"۔

"اس وقت سے صلاح الدین کی زندگی کا مقصد آخر عمر تک اسلام کی نصرت اور حمایت رہا اور اس نے عہد کر لیا کہ کفار پر جہاد کرے گا" ۳ؔ

سلطان کو جہاد سے عشق تھا، جہاد اسکی سب سے بڑی عبادت، سب سے بڑی لذت عیش اور اسکی روح کی غذا تھی،

۱ؔ النوادر السلطانیہ ص ۳۱ ۲ؔ النوادر السلطانیہ والمحاسن الیوسفیہ ص ۳۲-۳۳
۳ؔ سلطان صلاح الدین ص ۱۰۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قاضی ابن شداد کہتے ہیں :

"جہاد کی محبت اور جہاد کا عشق ان کے رگ و ریشہ میں سما گیا تھا، اور ان کے قلب و دماغ پر چھا گیا تھا، یہی ان کا موضوع گفتگو تھا۔ اسی کا ساز و سامان تیار کرتے رہتے تھے۔ اور اس کے اسباب و وسائل پر غور کرتے۔ اسی مطلب کے آدمیوں کی ان کو تلاش رہتی۔ اسی کا ذکر کرنے والے اور اسی کی ترغیب دینے والے کی طرف وہ کرتے، اسی جہاد فی سبیل اللہ کی خاطر انہوں نے اپنی اولاد اور اہل خاندان اور وطن و مسکن اور تمام ملک کو خیرباد کہا، اور سب کی مفارقت گوارا کی اور ایک خیمہ کی زندگی پر قناعت کی جسکو ہوائیں ہلا سکتی تھیں کسی شخص کو اگر ان کا قرب حاصل کرنا ہوتا، تو وہ ان کو جہاد کی ترغیب دیتا (اور اس طرح انکی [illegible] و قعت حاصل کر لیتا۔) قسم کھائی جا سکتی ہے۔ کہ جہاد کا سلسلہ شروع کرنے کے بعد انہوں نے ایک پیسہ بھی جہاد اور مجاہدین کی امداد و اعانت کے علاوہ کسی مصرف میں خرچ نہیں کیا۔[1]"

میدان جنگ میں سلطان کی کیفیت ایک ایسی غمزدہ ماں کی سی ہوتی تھی جس نے اپنے اکلوتے بچہ کا داغ اٹھایا ہو وہ ایک صف سے دوسری صف تک گھوڑے پر دوڑتے پھرتے اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے، خود ساری فوج میں گشت کرتے اور پکارتے پھرتے یاللاسلام اسلام کی مدد کرو! آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے

سلطان کی اس عاشقانہ کیفیت اور دردمندی کی تصویر ابن شداد نے ان الفاظ میں کھینچی ہے:-

"میدان جنگ میں سلطان کی کیفیت ایک ایسی غمزدہ ماں کی سی ہوتی تھی۔ جس نے اپنے اکلوتے بچہ کا داغ اٹھایا ہو۔ وہ ایک صف سے دوسری صف تک گھوڑے پر دوڑتے پھرتے اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے، خود ساری فوج میں گشت کرتے اور پکارتے پھرتے۔ "یاللاسلام" اسلام کی مدد کرو! آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے۔[2]"

عکا کے معرکہ میں ان کی کیفیت یہ تھی :

سارے دن سلطان نے ایک دانہ منہ میں نہیں رکھا۔ صرف طبیب کے مشورہ اور اصرار سے ایک مشروب کا استعمال کیا۔[3]

---

[1] النوادر السلطانیہ ص ۱۸ [2] ایضاً ص ۱۸ [3] ایضاً ص ۵۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شاہی طبیب نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ جمعہ سے اتوار تک سلطان نے صرف چند لقمے کھائے۔ ان کی طبیعت میدانِ جنگ کے علاوہ کسی اور طرف متوجہ ہی نہیں تھی بلکہ[1]

آخر مختلف جنگی کارروائیوں اور مقابلوں کے بعد وہ معرکہ پیش آیا جو تاریخ میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ اور جس نے فلسطین کی مسیحی سلطنت کا خاتمہ اور صلیبیوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیا، یہ حطین کی جنگ تھی، جو ستمبر کے دن ۲۴ ربیع الآخر ۵۸۳ھ کو پیش آئی اور جس میں مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہوئی، لین پول اس میدانِ جنگ کی تصویر کھینچتے ہوئے لکھتا ہے:

"مسیحی لشکر کے چیدہ اور منتخب جوانمرد قید کر لئے گئے۔ گائی بادشاہ یروشلم اور اس کا بھائی جاثیلون (حیفن) کا ریجی نالڈ شیتن کا ہمفری طبقات داویہ اور سبیطار کے دونوں مقدم اور بڑے بڑے عیسائی سردار گرفتار کر لئے گئے ---- باقی فلسطین کے تمام عیسائی بہادر اور شہسوار مسلمانوں کے پہرے میں تھے۔ مسیحی لشکر کے معمولی سپاہی پیدل اور سوار جو زندہ بچے تھے، سب مسلمانوں کے اسیر ہو گئے تھے۔ ایک ایک مسلمان سپاہی تیس تیس عیسائیوں کو جنہیں خود اس نے گرفتار کیا تھا۔ خیمے کی رسی میں باندھے جاتا دیکھا گیا، ٹوٹی ہوئی صلیبوں اور کٹے ہوئے ہاتھ پاؤں میں مردوں کے ڈھیر اس طرح لگے تھے، جیسے پتھر پہ پتھر پڑے ہوں۔ اور کٹے ہوئے سر زمین پر اس طرح بکھرے پڑے تھے جیسے خربوزوں کے کھیت میں خربوزے پڑے نظر آئیں[2] ---- مدتوں تک جنگ کا یہ میدان جس میں یہ خونی لڑائی ہوئی تھی، اور جہاں بیان کیا جاتا تھا کہ تیس ہزار آدمی مارے گئے تھے، مشہور رہا ایک سال کے بعد سپید سپید ہڈیوں کے تودے کے تودے اور ڈھیر دور سے لوگوں کو نظر آتے تھے۔ اور جانوروں کے کھانے کے بعد جو ٹکڑے لاشوں کے بچے تھے، وہ بھی میدان میں جابجا پڑے دکھائی دیتے تھے۔[3]

اس فتح کے ساتھ یہ واقعہ بھی تاریخ میں یادگار رہیگا جس سے سلطان کی دینی حمیت اور اس کی قوت ایمانی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مناسب ہے کہ یہ واقعہ بھی ہم انگریز مورخ کی زبان سے سنیں:

"سلطان صلاح الدین نے اپنا خیمہ لڑائی کے میدان میں نصب کرایا، جب خیمہ نصب ہو گیا، تو حکم دیا کہ قیدی سامنے حاضر کئے جائیں۔ بادشاہ گائی اور ریجی نالڈ جاثیلون (حیفن)

---

[1] النوادر السلطانیہ ص ۹۰ [2] سلطان صلاح الدین ص ۱۸۷ - ۱۸۸ [3] ایضاً ص ۱۸۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دونوں اندر لائے گئے۔ سلطان نے بادشاہ یروشلم کو اپنے پہلو میں بٹھایا، اور اُسے پیاسا دیکھ کر برف میں سرد کئے ہوئے پانی کا کٹورا دیا، گائی نے پانی پیا، اور پانی کا کٹورا دائی کرک ریجی نالڈ کو دیا۔ سلطان یہ دیکھ کر ناخوش ہوا اور ترجمان سے کہا کہ بادشاہ سے کہو کہ میں نے اس شخص کو پانی نہیں دیا ہے۔ بادشاہ گائی کو دیا ہے۔ روٹی اور نمک جسے دیتے ہیں، وہ محفوظ سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ آدمی اس قسم کی حفاظت میں بھی میرے انتقام سے نہیں بچ سکتا۔ صلاح الدین اتنا کہہ کر کھڑا ہوا اور ریجی نالڈ کے سامنے آیا۔ ریجی نالڈ جب سے خیمہ میں داخل ہوا تھا، برابر کھڑا رہا تھا۔ سلطان نے اس سے کہا احسن میں نے تجھے قتل کرنے کی قسم دو مرتبہ کھائی تھی، ایک مرتبہ تو اس وقت جب کہ تو نے مکہ اور مدینہ کے مقدس شہروں پہ حملہ کرنا چاہا تھا۔ دوسری مرتبہ اس وقت جب کہ تو نے دھوکے اور دغابازی سے حاجیوں کے قافلہ پہ حملہ کیا تھا۔[۱] دیکھ میں اب تیری بے ادبی اور توہین کا انتقام لیتا ہوں۔ اتنا کہہ کر صلاح الدین نے تلوار نکالی اور جیسا کہ عہد کیا تھا ریجی نالڈ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ جو کچھ رمق باقی تھی اُسے پہرے والوں نے آکر ختم کیا۔

بادشاہ گائی اس قتل کو دیکھ کر لرز گیا، اور سمجھا کہ اب اسکی باری آئے گی صلاح الدین نے اس کا اطمینان کیا، اور کہا کہ بادشاہوں کا دستور نہیں کہ وہ بادشاہ کو قتل کریں۔ اس شخص نے بار بار عہد شکنیاں کی تھیں۔ اب جو کچھ گذر گیا گذر گیا۔[۲]

ابن شداد نے لکھا ہے کہ سلطان نے ریجی نالڈ کو طلب کیا اور کہا کہ: ھا انا انتصر لمحمد علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ لو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام لیتا ہوں، ابن شداد نے یہ بھی لکھا ہے کہ سلطان نے اسکو اسلام کی دعوت دی مگر اس نے قبول نہیں کی۔[۳]

خطین کی فتح کے بعد وہ مبارک موقع جلد آگیا جسکی سلطان کو بے حد آرزو تھی، یعنی بیت المقدس کی فتح۔ قاضی ابن شداد نے لکھا ہے:

"سلطان کو بیت المقدس کی ایسی فکر تھی، اور اس کے دل پر ایسا بار تھا کہ پہاڑ اسکے متحمل نہیں ہو سکتے"[۴]

---

[۱] قاضی ابن شداد کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ جب ان بے کس حجاج نے اس سے انسانیت، شرافت کی درخواست کی تو اس نے گستاخانہ کہا کہ "اپنے محمد سے کہو کہ تمہیں رہائی دیں۔" یہ فقرہ صلاح الدین کو پہنچا، اور اس نے منت مانی کہ اگر یہ بے ادب اس کے ہاتھ آئے گا تو اپنے ہاتھ سے اس کو قتل کروں گا۔ ص ۱۲۰

[۲] سلطان صلاح الدین ص ۱۸۸ [۳] النوادر السلطانیہ ص ۱۶۳ [۴] النوادر السلطانیہ ص ۲۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی سال ۵۸۳ھ ۲۷ر رجب (۱۱۸۷ء) کو سلطان بیت المقدس میں داخل ہوئے اور پورے ۹۰ برس کے بعد یہ پہلا قبلہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کی تھی، اسلام کی　　میں آیا۔ یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ سلطان کے داخلہ کی تاریخ بھی وہی تھی جس تاریخ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تھی۔ قاضی ابن شداد لکھتے ہیں،

"یہ عظیم الشان فتح تھی، اس مبارک موقع پر اہل علم کی بہت بڑی جماعت اور اہل حرفہ اور اہل طرق کی کثیر تعداد جمع تھی، اس لئے کہ لوگوں کو جب ساحلی مقامات کی فتح اور سلطان کے ارادہ کی اطلاع ملی، تو مصر و شام سے علماء نے بیت المقدس کا رخ کیا اور کوئی روشناس اور معروف آدمی پیچھے نہیں رہا، ہر طرف دعا تہلیل و تکبیر کا شور بلند تھا، بیت المقدس میں (۹۰ برس کے بعد) جمعہ کی نماز ہوئی، قبۂ صخرہ پر جو صلیب نصب تھی وہ اتار دی گئی، ایک عجیب منظر تھا، اور اسلام کی فتح مندی اور اللہ تعالیٰ کی مدد کھلی آنکھوں نظر آرہی تھی"۔ [۱]

نورالدین زنگی مرحوم نے بیت المقدس کے لئے بڑے اہتمام اور بڑے صرف سے منبر بنوایا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ بیت المقدس واپس دلائے گا، تو یہ منبر نصب کیا جائے گا، صلاح الدینؒ نے حلب سے وہ منبر طلب کیا اور اس کو مسجد اقصیٰ میں نصب کیا۔ [۲]

صلاح الدین نے اس موقع پر جس عالی ظرفی، فیاضی اور اسلامی اخلاق کا مظاہرہ کیا، وہ عیسائی مورخ کی زبان سے سننے کے قابل ہے:

"صلاح الدین نے کبھی پہلے اپنے تئیں ایسا عالی ظرف اور با ہمت ثابت نہیں کیا تھا۔ جیسا کہ اس موقع پر کیا، جب کہ یروشلم مسلمانوں کے حوالہ کیا جارہا تھا۔ اس کی سپاہ اور معزز افسران ذمہ دار تھے جو اس کے تحت تھے، شہر کے گلی کوچوں میں انتظام قائم رکھا، یہ سپاہی اور افسر ہر قسم کی ظلم و زیادتی کو روکتے تھے۔ اور اس کا نتیجہ تھا کہ اگر کوئی واقعہ جس میں کسی عیسائی کو گزند پہنچا ہو، پیش نہ آیا۔ شہر سے باہر جانے کے کل راستوں پر سلطان کا پہرہ تھا، اور ایک نہایت معتبر امیر باب داؤد پر متعین تھا۔ کہ ہر شہر والے کو جو زر فدیہ ادا کر چکا ہے، باہر جانے دے۔"

---

[۱] النوادر السلطانیہ ص ۷۶　　[۲] تاریخ ابی الفداء محوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر سلطان کے بھائی العادل اور بطریق اور پالیان کے ہزار ہزار غلام آزاد کرنے کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتا ہے:

اب صلاح الدین نے اپنے امیروں سے کہا کہ میرے بھائی اپنی طرف سے اور پالیان اور بطریق نے اپنی طرف سے خیرات کی، اب میں اپنی طرف سے بھی خیرات کرتا ہوں اور یہ کہہ کر اس نے اپنی سپاہ کو حکم دیا کہ شہر کے تمام گلی کوچوں میں منادی کر دیں کہ تمام بوڑھے آدمی جن کے پاس زرِ فدیہ ادا کرنے کو نہیں ہے۔ آزاد کئے جاتے ہیں کہ جہاں چاہیں وہ جائیں۔ اور یہ سب باب البعزر سے نکلنے شروع ہوئے، اور سورج نکلنے سے سورج ڈوبنے تک ان کی صفیں شہر سے نکلتی رہیں۔ یہ خیر و خیرات تھی جو صلاح الدین نے بے شمار مفلسوں اور غریبوں کے ساتھ کی۔

غرض اس طرح سلطان صلاح الدین نے اس مغلوب و مفتوح شہر پر اپنا احسان و کرم کیا۔ جب سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں، تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو شروع کے صلیبیوں نے ۱۰۹۹ء میں یروشلم کی فتح پر کی تھیں۔ جب گوڈ فرے اور ٹنکریڈ یروشلم کے کوچہ و بازار میں سے گذرتے تھے، تو وہاں مردے پڑے اور جان بلب زخمی لوٹتے تھے، جب کہ بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو ان صلیبیوں نے سخت اذیتیں دے کر مارا تھا۔ اور زندہ آدمیوں کو جلایا تھا، جہاں قدس کی چھتوں اور برجوں پر جو مسلمان پناہ لینے چڑھے تھے۔ وہیں ان صلیبیوں نے انہیں اپنے تیروں سے چھید کر گرا لیا تھا۔ اور جہاں ان کے اس قتل عام نے مسیحی دنیا کی عزت کو بٹہ لگایا تھا، جب کہ اس مقدس شہر کو ظلم و بدنامی کے رنگ میں انہوں نے رنگایا تھا، جہاں رحم و محبت کا وعظ جناب مسیح نے سنایا تھا، اور فرمایا تھا۔ کہ خیر و برکت والے ہیں۔ وہ لوگ جو رحم کرتے ہیں ان پر خدا کی برکتیں نازل رہتی ہیں۔

جس وقت یہ عیسائی اس پاک و مقدس شہر کو مسلمانوں کا خون کر کے اس کو مذبح بنا رہے تھے، اس وقت وہ اس کلام کو بھول گئے تھے۔ اور ان بے رحم عیسائیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں ان پر رحم و کرم ہو رہا تھا۔

صفات خداوندی میں سب سے بڑھ کر صفت رحم ہے، رحم عدل کا تاج اور اس کا جلال ہے۔ جہاں عدل اپنے اختیار اور استحقاق سے کسی کو جان سے مار سکتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رحم بجان بچا سکتا ہے۔

اگر صلاح الدین کے کاموں میں صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہوتا کہ اس نے کس طرح یروشلم کو بازیاب کیا، تو صرف یہی کارنامہ اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلالت اور شہامت میں یکتا، اور بے مثل شخص تھا۔ ۱۵

بیت المقدس کی فتح اور صلیبیوں کی ذلت آمیز شکست سے یورپ میں غیظ و غضب کی پھر آگ بھڑک اٹھی اور سارا یورپ شام کے چھوٹے سے ملک پر ابل پڑا جس میں یورپ کے تقریباً تمام مشہور جنگ آزما اور مشہور بادشاہ اور سپہ سالار تھے۔ قیصر، فریڈرک، رچرڈ شیر دل شاہانِ انگلستان، فرانس، صقلیہ، آسٹریا، برگنڈی، فلانڈرز کے ڈیوک اور نائٹ اپنی آہن پوش فوجوں کے ساتھ امنڈ آئے۔ ان سب کے مقابلہ میں تنہا سلطان صلاح الدین تھا۔ اور اس کے اعزہ اور چند حلیف جو پورے عالم اسلام کی طرف سے مدافعت کر رہے تھے۔

آخر پانچ برس کی مسلسل خونریز و خون آشام جنگوں کے بعد ستمبر ۱۱۹۲ء میں رملہ پر دونوں حریفوں میں جو تھک کر چور ہو گئے تھے، صلح ہوئی۔ بیت المقدس اور مسلمانوں کے مفتوحہ شہر اور قلعے بدستور انکے قبضہ میں رہے۔ ساحل پر عکہ کی مختصر سی ریاست عیسائیوں کے قبضہ میں تھی، اور سارا ملک سلطان صلاح الدین کے زیرنگین تھا، صلاح الدین نے جو خدمت اپنے ذمہ لی تھی، اور صحیح تر الفاظ میں جو کام اللہ تعالیٰ نے اس کے سپرد کیا تھا۔ اس کے ہاتھوں مکمل ہوا۔ عیسائی مورخ اس کی کامیابی اور جنگ صلیبی کے نامبارک سلسلہ کے اختتام کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

"جنگ مقدس خاتمہ کو پہنچی، پانچ برس کی مسلسل لڑائیاں ختم ہوئیں، جولائی ۱۱۸۷ء میں حطین پر مسلمانوں کی فتح سے قبل دریائے اردن کے مغرب میں مسلمانوں کے پاس ایک بالشت زمین بھی نہ تھی، ستمبر ۱۱۹۲ء میں جب رملہ پر صلح ہوئی، تو صور سے لیکر یافا تک ساحل پر بجز زمین کی ایک پتلی سی پٹی کے سارا ملک مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ اس صلحنامہ پر صلاح الدین کو شرمندہ ہونے کی مطلق ضرورت نہ تھی، صلیبیوں نے جو کچھ فتح کیا تھا، اس کا بڑا حصہ فرنگیوں کے پاس رہا۔ لیکن اگر صرف جان و مال کا لحاظ کیا جائے، تو یہ نتیجہ نہایت حقیر تھا۔ پاپائے روما کی فریاد سنتے ہی کل مسیحی دنیا نے ہتھیار اٹھائے تھے قیصر، فریڈرک، شاہانِ انگلستان و فرانس، آسٹریا کا لیوپولڈ، برگنڈی کا ڈیوک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلانڈرز کا کاؤنٹ صدہا مشہور و معروف بیرن اور تمام عیسائی قوموں کے نائٹ یروشلم کا عیسائی بادشاہ اور فلسطین کے دیگر عیسائی والیانِ ملک طبقہ داویہ اور طبقۂ البیطار کے بڑے بڑے شہسوار اس کوشش میں مصروف ہوئے کہ بیت المقدس پر اپنا قبضہ اور یروشلم کی مسیحی سلطنت جو مٹنے کے قریب ہے، پھر سرسبز ہو جائے لیکن انجام کیا ہوا۔؟ اسی دوران میں قیصر فریڈرک قضا کر گیا۔ شاہانِ انگلستان فرانس اپنے اپنے ملک کو سدھارے، اور ان کے بڑے بڑے شریف اور معزز ساتھی ارضِ ایلیا میں خاک کا پیوند ہوئے، لیکن یروشلم اس پر بھی سلطان صلاح الدین کا رہا، صرف ساحلِ عکہ کی مختصر سی ریاست پر اس کا برائے نام عیسائی بادشاہ حکومت کرتا رہا۔

تیسری جنگِ صلیب میں تمام مسیحی دنیا کی مجموعی طاقت مقابلہ کرنے آئی۔ مگر صلاح الدین کی قوت کو ٹس سے مس نہ کر سکی۔ صلاح الدین کی سپاہ جہلیوں کی سخت محنت و جانفشانی اور برسوں کی مخدوش اور خطرناک خدمت کے بعد تھک کر چور چور ہو چکی تھی، مگر کسی کی زبان پر حرفِ شکایت نہ تھا۔ کبھی طلبی پر حاضر ہونے اور ایک نیک کام میں اپنی جانیں قربان کرنے سے کسی نے انکار نہ کیا، دریائے دجلہ کی دور دراز وادیوں میں ممکن ہے کہ سلطان کے تابع والیانِ ملک کے دل میں اس ہمیشہ کی طلبی کمک پر کچھ شکایت پیدا ہوئی ہو، لیکن بہرکیف اپنی اپنی فوجیں سلطان کی خدمت میں بڑی جاں نثاری اور نیک خواہی کے ساتھ لائے۔ آخری جنگ جارسوف پر ہوئی، اس میں موصل کی فوجوں نے بڑی مردانگی اور جانبازی سے کام لیا۔ ان تمام لڑائیوں میں سلطان کو ہمیشہ مصر اور عراق کی فوجوں سے مدد ملنے کا بھروسہ رہا، اور یہی تقویت ملکِ شام کی شمالی اور مرکزی فوجوں سے رہی، کرد ترکمان عرب مصری سب مسلمان اور سلطان کے خادم تھے، اور طلبی پر خادموں ہی کی طرح سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے، باوجود اس کے کہ ان کی نسل و قوم جدا تھی، اور باوجود قومی چشمکوں اور قبیلی غرور و تفاخر کے سلطان نے ان کو ایسا شیر و شکر کر رکھا تھا کہ تمام لشکر تنِ واحد نظر آتا تھا، سب ایک ہی لشکر کے رکن رہے، دو ایک مرتبہ اس میں شک نہیں کہ ان کو متفق، اور متحد رکھنے میں مشکلات پیش آئیں اور بعض نازک مواقع ایسے بھی آئے کہ ان کی طبیعتوں میں فرق پیدا ہوتا۔ معلوم ہوا باوجود یا فاتح پر فوج کے تمر د کے تمام الشرق میں ۱۱۹۲ء تک کے موسم خریف تک

© rasailojaraid.com

سلطان کے حکم کے تابع رہیں، اور جس طرح ۱۱۶۹ء میں پہلی مرتبہ خدا کی راہ میں کام کرنے کو انہیں طلب کیا تھا، اسی طرح اخیر تک راہِ خدا میں وہ کام کرتی رہیں، اس تمام زمانہ میں نہ تو سلطان کو کوئی صوبہ اس سے منحرف ہوا اور نہ کسی ماتحت سردار یا باج گزار ریاست نے اس سے بغاوت کی گو جو توقعات ان کی خیر خواہی اور جفاکشی سے رکھی گئی تھیں وہ کافی طور پر ایسی تھیں کہ مضبوط سے مضبوط اعتقاد اور قیامت کی طاقت کو بھی آزمائش میں لا کر ہرا دیتیں۔ صرف عراق میں سلطان کے ایک عزیز کی سرکشی کی مثال جسکی اصلاح فوراً معافی سے کر کر دی گئی، ایسی ہے جس کا استثناء اس اثر کو اور قوت کے ساتھ ثابت کرتا ہے۔ جو سلطان اپنی رعایا پر رکھتا تھا، جب جنگ پنج سالہ کی یہ آزمائشیں اور تکلیفیں ختم ہوئیں، تب بھی سلطان کردستان کے پہاڑوں سے لے کر صحرائے نوبہ تک بذات واحد حکمران رہا۔ اور ان حدود سے بھی وہ کردستان کا بادشاہ آرمینہ کا کاتلین (حاکم وقت) قونیہ کا سلطان اور قسطنطنیہ کا قیصر اس بات کا شوق رکھتا ہے۔ کہ صلاح الدین کو اپنا دوست اور مددو معاون سمجھیں۔ لیکن صلاح الدین ان دوستوں اور اتحادیوں میں سے کسی کا زیر بار احسان نہ ہوا ہو۔ اس کی مدد کو نہ آسکے، مبارک باد دینے البتہ حاضر ہوئے، یہ کل کشمکش صرف صلاح الدین نے کی تھی۔ بجز سلطان کے بھائی العادل کے جو آخری زمانہ میں بین طور پر سب کے سامنے آیا، ممکن نہیں کہ کوئی شخص کسی ایک سپہ سالار یا مشیر کو بتا سکے جسکی نسبت کہہ سکیں کہ وہ سلطان کا مشیر یا صلاح کار ہو کر اس پر حاوی ہو گیا تھا۔ ایک مجلس حرب البتہ اس کے یہاں تھی، جو معاملات جنگ میں مشورہ دیتی تھی، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوا تھا کہ سلطان کی صحیح رائے پر اس کی غلط رائے غالب آگئی جیسا کہ صور اور عکہ کے سامنے ہوا تھا۔ لیکن اس مجلس میں بھی اس کے کسی ایک رکن کی طرف اشارہ نہیں کر سکتے کہ اسکی رائے نے سلطان پر کسی دوسرے کی رائے سے زیادہ اثر کیا ہو۔ بھائی بیٹے، بھتیجے، پرانے رفیق سخت ماتحت عامل اور ہوشیار قاضی، محتاط اور وفا شعار معتمد وزیر، متعصب واعظ اور ملا سبھی اس میں متفق الکلام تھے کہ جہاد کیا جائے۔ اور سب اس میں شریک بھی ہوئے اور سب نے آقا کی بڑی تندہی اور خیر خواہی سے اپنی اپنی لیاقت اور قوت کے مطابق مدد کی لیکن ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو اس بات کو بھولا ہو کہ آقا کون ہے۔ اس تشویش فکر اور محنت و جانفشانی کے نازک وقت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف ایک دل اور ارادہ تھا جو سب پر حاوی تھا۔ اور یہ دل اور ارادہ سلطان صلاح الدین کا تھا۔

بالآخر اپنا مقدس فریضہ ادا کر کے اور عالم اسلام کو صلیبیوں کی غلامی کے خطرہ سے محفوظ کرنے کے بعد ۲۷ صفر ۵۸۹ھ کو اسلام کا یہ وفادار فرزند دنیا سے رخصت ہوا۔ اس وقت انکی عمر ستاون سال کی تھی۔ قاضی بہاء الدین بن شداد سلطان کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"۲۷ صفر کی شب کو جو سلطان کی علالت کا بارہواں دن تھا، مرض میں شدت ہو گئی، اور قوت گھٹ گئی، شیخ ابو جعفر امام الکلاسہ کو جو ایک نہایت صالح اور بزرگ شخص تھے زحمت دی گئی، کہ رات کو قلعہ میں رہیں۔ کہ اگر رات کو وہ ساعت مقررہ آگئی جو سب کو پیش آنے والی ہے۔ تو وہ اس وقت سلطان کے پاس ہوں اور ان کو تلقین کر سکیں، اور اللہ کا نام لیں۔ رات کو سلطان ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سفر کے لئے پابہ رکاب ہیں، شیخ ابو جعفر ان کے پاس بیٹھے ہوئے تلاوت و ذکر میں مشغول تھے۔ تین دن پہلے سے ان پر ایک اور غفلت طاری تھی، کسی کسی وقت ان کو ہوش آتا تھا۔ جب شیخ ابو جعفر نے تلاوت کرتے ہوئے هو الله الذى لا اله الا هو عالم الغيب والشهادة پڑھی تو سلطان کو ہوش آگیا، ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی اور چہرہ کھل گیا، اور کہا صحیح ہے۔ اور یہ کہہ کر جان جان آفریں کے سپرد کی۔ یہ چہارشنبہ کا دن، صفر کی ۲۷ تاریخ اور فجر کا وقت تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خلفائے راشدین کی وفات کے بعد سے ایسا سخت دن مسلمانوں کی تاریخ میں نہیں آیا۔ قلعہ، شہر اور تمام دنیا پر ایک دہشت سی برستی تھی، اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کیسا سناٹا اور کیسی اداسی تھی۔ میں پہلے جب سنتا تھا کہ لوگ دوسروں پر قربان ہوجانے اور ان کا فدیہ بنجانے کی تمنا کرتے ہیں، تو سمجھتا تھا کہ یہ محض ایک مجاز اور تکلف کی باتیں ہیں۔ لیکن اس دن معلوم ہوا کہ یہ حقیقت ہے۔ خود میں اور بہت سے لوگ ایسے تھے کہ اگر ان کے امکان میں ہوتا کہ وہ سلطان پر اپنی جان قربان کر سکیں اور اس کی طرف سے فدیہ ہوجائیں، تو وہ اس کے لئے تیار تھے۔

قاضی ابن شداد لکھتے ہیں کہ سلطان نے اپنے ترکہ میں صرف ۴۷ درہم چھوڑے تھے کوئی ملک، مکان، جائداد، باغ، گاؤں، زراعت نہیں چھوڑی، ان کی تجہیز و تدفین میں ایک پیسہ بھی انکی میراث سے صرف نہیں ہوا۔ سارا سامان قرض سے کیا گیا، یہاں تک کہ قبر کے لئے گھاس کے پولے بھی قرض سے آئے، کفن کا انتظام انکے وزیر و کاتب قاضی فاضل نے کسی جائز و حلال ذریعہ سے کیا۔

© rasailojaraid.com